Oriental College Magazine, Vol.101, No. 04, Serial No. 382, 2025

سمپورن سنگھ گلزار کی خاکہ نگاری: تنقیدی مطالعہ

شازمہ زہرا
پی ایچ۔ڈی ریسرچ اسکالر (اُردو)، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان
عذرا پروین، پی ایچ ڈی
چیئرپرسن شعبہ اُردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

Sketch Writing of Sampooran Singh Gulzar (A Critical Study)

Shazma Zahra
PhD Research Scholar (Urdu)
The Women University, Multan

Azra Perveen, PhD
Chairperson Department of Urdu
The Women University, Multan

Abstract

Sampooran Singh Gulzar is a distinguished figure in Urdu-Hindi literature, renowned as a poet, short-story writer, screenwriter, dramatist, novelist, sketch writer, filmmaker, columnist, and translator. Just as eminent writers such as Mirza Farhatullah Beg, Shahid Ahmad Dehlvi, Rasheed Ahmad Siddiqui, Maulvi Abdul Haq, Saadat Hasan Manto, Ismat Chughtai, Josh Malihabadi, Muhammad Tufail, Mumtaz Mufti, Qudratullah Shahab, Ahmad Bashir, Kishwar Naheed, and Naiyer Masud produced outstanding literary sketches, Sampooran Singh Gulzar also secured a respected place in this tradition. Through his work "Gar Yaad Rahe", he contributed eleven biographical sketches that further enriched this genre. The present article aims to present a critical study of Gulzar's art of sketch writing with specific reference to this book.

Keywords:
Portraiture, Physiognomy, Facial Analysis, Character Sketching, Biography, Interiorization, Externalization, Realism, Allegory

خاکہ نگاری اردو ادب میں ایک مقبول صنف ادب کی حیثیت سے خود کو منوا چکی ہے۔ اس کو نسبتاً جدید ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ صنف اپنے فنی نکھار اور دلچسپی کی بدولت دوسری اصنافِ ادب کو پیچھے چھوڑ چکی ہے۔ اصطلاح میں خاکہ وہ صنف ہے جس میں کسی شخصیت یا شے کے خدوخال پیش کیے جاتے ہیں۔ شخصیت کی تصویر کشی کرنا بڑا مشکل فن ہے۔ کوئی بھی شخص خاکہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک موضوع شخصیت اپنے تمام تر محاسن و معائب کے ساتھ اصلی روپ میں نظر نہ آئے۔

ازل سے انسانی ذات ایک معمہ رہی ہے کیونکہ ہر شخص کی شخصیت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ شخصیات کے بارے میں جاننا اور ان کے باطن میں جھانکنا ہمیشہ سے ہی پُر کشش رہا ہے۔ ہر انسان کے اندر دوسروں کی زندگی کے بارے میں جاننے کا تجسس پایا جاتا ہے اور یہ ایک فطری بات ہے۔ خاکہ ہی وہ صنفِ نثر ہے جو کسی شخص کی ظاہری کے ساتھ باطنی شخصیت کا عکس عیاں کرتی ہے۔

یحییٰ امجد خاکے کے متعلق بتائے ہوئے کہتے ہیں:

> "خاکہ ایک تخلیقی صنفِ ادب ہے جس میں زندہ شخصیت گوشت پوست کا بدن لیے علمیت کی بھاری بھر کم عباؤں کو دم بھر کے لیے اتار کر روزمرہ لباس میں نظر آتی ہے اور ہم انہیں یوں دیکھتے ہیں جیسا کہ وہ تھے نہ کہ جیسا ظاہر کرتے تھے۔"(۱)

خاکہ نگاری باقاعدہ ایک فن ہے اور بعض لکھنے والوں کا تو مقدم حوالہ ہی یہ صنف ہے۔ بعض ادیب ایسے بھی ہیں جنہوں نے ادب کی دوسری اصناف کے ساتھ خاکہ نگاری پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ خاکہ نگاری کا مقصد افکار و کردار کی مدد سے بحیثیت انسان موضوع شخصیت کی انفرادیت کو نمایاں کرنا ہے نہ کہ سوانحی حالات و واقعات بیان کرنا۔ اور یہ انفرادیت داخلی اور خارجی دونوں پہلوؤں کی وضاحت سے پیدا ہوتی ہے۔ خاکہ نگار کی ذمہ داری ہے کہ وہ موضوع شخصیت پر اس طرح قلم اٹھائے کہ قاری خاکہ پڑھنے کے بعد اطمینان محسوس کرے کہ اس نے موضوع شخصیت کو بہتر طور پر جان لیا۔ اس لیے بعض ناقدین حُلیہ نگاری کو خاکہ کا لازمی جزو نہیں گردانتے۔ بشیر سیفی کہتے ہیں:

> "حلیہ نگاری خاکہ کا لازمی جزو نہیں یوں بھی ظاہری شکل و شباہت کردار کو سمجھنے میں زیادہ معاون نہیں ہوتی۔ معصوم صورتیں بھی گھناؤنی سیرتوں کی مبارک ہوتی ہیں۔ چنانچہ قیافہ شناسی اور چہرہ شناسی کا علم بھی بعض اوقات گمراہ کن نتائج سامنے لاتا ہے۔"(۲)

مرزا فرحت اللہ بیگ اردو کے پہلے باقاعدہ خاکہ نگار ہیں۔ ان کے بعد اس روایت میں جہاں ایک طرف مولوی عبدالحق (چند ہم عصر) جیسے لوگ ہیں تو دوسری طرف رشید احمد صدیقی، جنہوں نے اپنے

خاکوں میں علی گڑھ کے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو فرشتوں کے لیے بھی قابل رشک تھے، اس رویے کے رد عمل میں منٹو اور عصمت چغتائی جیسے خاکہ نگار ہمارے سامنے آتے ہیں جن کی بے رحم حقیقت نگاری سگے بھائی کو بھی دوزخی کہنے سے باز نہیں آتی۔ خاکہ نگاری کی اس روایت میں شاہد احمد دہلوی جیسے تخلیق کار بھی نظر آتے ہیں جو اپنے دادا کا خاکہ لکھتے وقت سراپا محبت مگر جوش ملیح آبادی کے خاکے میں سراپا قہر نظر آتے ہیں۔ محمد طفیل نے بھی اپنے خاکوں میں کچھ ایسی جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے ۔

ممتاز مفتی نے بھی قدرت اللہ شہاب جیسے عام آدمی کو صوفی بنا دیا۔ مگر سب جانبدار بھی نہیں۔ احمد بشیر جیسے خاکہ نگار بھی گزرے ہیں جنہوں نے چھپن چھری کے عنوان سے کشور ناہید کا بڑا جاندار خاکہ لکھا۔ نیر مسعود نے ادبستان کا جو خاکہ لکھا وہ اردو ادب میں ایلیگری کا پہلا تجربہ تھا۔ انوار احمد کا شمار بھی موجودہ دور کے اہم خاکہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ اس روایت میں سمپورن سنگھ گلزار کے خاکوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں کسی کی تقلید کرتے دکھائی نہیں دیتے، بلکہ وہ تمام اولین خاکہ نگاروں سے الگ اپنی راہ تراشتے نظر آتے ہیں۔

۱۹۳۴ء میں متحدہ ہندوستان کے ضلع جہلم میں پیدا ہونے والے سمپورن سنگھ گلزار کا شمار پاک و ہند کی معروف شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ ایک شاعر، افسانہ نگار، منظر نامہ نگار، ڈرامہ نگار، خاکہ نگار، ناول نگار، فلم ساز، مترجم اور ادبِ اطفال کے خالق بھی ہیں۔ ان کا اصل نام تو سمپورن سنگھ کالرہ ہے مگر وہ اپنے ادبی نام "گلزار" سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں اور اس نام کو بغیر کسی سابقے لاحقے کے پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے جتنے بھی خاکے لکھے، بڑے جاندار لکھے۔ "گر یاد رہے" ان کے شخصی خاکوں کا مجموعہ ہے۔ جہاں ہمیں ان کا منفرد اسلوب دکھائی دیتا ہے۔

گلزار نے "گر یاد رہے" میں کم و بیش گیارہ شخصیات کے خاکے لکھے ہیں۔ جن میں سے دس کا اُردو زبان و ادب سے براہِ راست تعلق ہے۔ اس سے گلزار کی اردو سے محبت، لگاؤ اور وابستگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان شخصیات میں منشی پریم چند، سعادت حسن منٹو، احمد ندیم قاسمی، خواجہ احمد عباس، شیلندر، شہریار، نصیر احمد ناصر، جاوید صدیقی، امجد اسلام امجد، ایوب خاور اور ف۔ س اعجاز کے نام شامل ہیں۔ گلزار نے خاکوں کے ذریعے ان شخصیات کو نئی زندگی دی ہے اور موضوع شخصیات کی گھریلو زندگی کی بجائے ادبی زندگی کا خاکہ پیش کیا ہے۔ جو بذاتِ خود اِن کے علم و ادب سے لگاؤ کی دلیل ہے۔

"گر یاد رہے" میں پہلا خاکہ اردو ادب کی معروف شخصیت منشی پریم چند کا ہے۔ جن سے گلزار کو بہت محبت ہے۔ اگرچہ وہ بہ نفسِ نفیس ان سے کبھی نہیں ملے۔ گلزار دو سال کے تھے جب منشی پریم چند

وفات پا گئے تھے۔ مگر گلزار کے لیے اُن کی تخلیقات اور تحریریں پریم چند کی شخصیت کا پورا پورا واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ سکول کے زمانے سے ہی گلزار نے پریم چند کو پڑھنا شروع کیا۔ ان کی تحریریں، ہندو مسلم، بڑے چھوٹے، خواتین، غرض ہر مذہب، طبقہ، عمر اور صنف کے لوگ پڑھتے اور پسند کرتے تھے۔ خاکے میں گلزار نے جابجا ان کے افسانوں کے اقتباسات دے کر ان کی فکری رفعت سے شخصیت کے خدوخال واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ گلزار کہتے ہیں کہ

"اگر فن، فنکار کی شخصیت کا عکس ہے تو منشی پریم چند کی سادہ دلی اور ان کا سادہ مزاج ان کے انداز بیاں سے پتہ چلتا ہے۔ ایک بڑے شفاف اور Transparent انسان کی امیج سامنے آتی ہے۔ بڑے جذباتی اور ہمدرد قسم کے شخص نظر آتے ہیں۔ اسی لیے ان کے کرداروں میں بدکار اور وِلن نظر نہیں آتے۔ اور جو ہیں، اُنہیں کہانیوں سے چھان کر نکالنا پڑتا ہے۔"(۳)

اس خاکے کے آخر میں گلزار نے منشی پریم چند کے لیے خراجِ تحسین کے طور پر ایک نظم بھی لکھی ہے۔ گلزار کے تحریر کردہ خاکوں میں دوسرا خاکہ سعادت حسن منٹو کا ہے۔ منٹو کا شمار بھی اردو ادب کے معروف ادیبوں میں ہوتا ہے۔ منٹو نہایت ضدی مگر شوخ اور رنگیلے انسان تھے۔ احمد ندیم قاسمی کے بہت قریب تھے۔ اکثر انہیں چھیڑنے کو شراب کے لیے پیسے مانگا کرتے تھے۔ جواباً قاسمی صاحب کہتے کہ وہ اُنہیں افسانے کے لیے تو پیسے دے سکتے ہیں۔ مگر شراب کے لیے نہیں۔ چنانچہ وہ افسانہ لکھ لاتے۔ کئی بار ان پر فحش نگاری کے حوالے سے مقدمات بھی چلے۔ ہٹ دھرمی کے باعث کئی لوگوں نے انہیں پاگل قرار دیا اور سچ مچ دوبار تو اُنہیں پاگل خانے بھی بھیجا گیا۔ جہاں چار نمبر بس جایا کرتی تھی۔ لاہور کی چار نمبر بس ان ہی کے حوالے سے مشہور ہوئی۔ گلزار اُن کے پاگل پن کو بھی محبت سے دیکھتے ہیں چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

"پاگل تو تھے ہی لیکن انہیں پاگل کہتے ہوئے گردن تھوڑی سی اونچی ہو جاتی ہے۔ ان کے رتبے پر جیسے کہہ رہی ہو، وہ ہم جیسے معمولی انسان نہیں تھے، پورے پاگل تھے۔ Genius تھے اپنے زمانے کے۔"(۴)

بیدی نے بھی اُنہیں اُن کی تمام تر بد معاشیوں کے باوجود اپنا لاڈلا قرار دیا۔ (۵) گلزار نے منٹو کے خاکے میں شخصی تعارف دیتے ہوئے جابجا ان کے افسانے، تنقید، انٹرویوز اور خاکوں کا حوالہ دیا ہے اور ٹوبہ ٹیک سنگھ افسانے کی پرتیں کھولتے ہوئے ٹوبہ ٹیک سنگھ علاقے کی مختصر تاریخ بھی بیان کی ہے۔

گلزار کے تیسرے خاکے کی موضوع شخصیت "احمد ندیم قاسمی" کا تعلق بھی اردو زبان و ادب سے ہے۔ گلزار نے اس خاکے میں احمد ندیم قاسمی کی مہربان اور ادب پسند شخصیت کے ساتھ ان کی تخلیقی جہات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ ایک شاعر، افسانہ نگار، ڈرامہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ صحافی بھی تھے۔ گلزار کو ان سے بہت محبت ہے۔ اتنی کہ اُنہیں بابا کہہ کر بلاتے ہیں۔ اس خاکے میں گلزار، احمد ندیم قاسمی کو بابا بلانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:-

"خط منصورہ نے لکھا تھا۔۔۔ایک اور جملہ بھی تھا۔۔۔ بابا نے کہا ہے اپنا افسانہ ضرور بھیجنا !
بس سمجھ لیجیے تبھی سے قاسمی صاحب کو میں بابا بلانے لگا۔"(۶)

احمد ندیم قاسمی ترقی پسند تحریک کے بڑے حامیوں میں سے تھے۔ ان کی اپنی تحریریں بھی ترقی پسندیت کی علمبر دار ہیں۔ انہوں نے تقسیم کے موضوع پر ان گنت نظمیں اور افسانے لکھے۔ گلزار نے اس خاکے میں ان کے افسانے "پرمیشر سنگھ" اور "مخبر" پر خاصہ تبصرہ کیا ہے۔ گلزار کا افسانوی فن نکھارنے میں احمد ندیم قاسمی کا بڑا ہاتھ ہے۔ وہ بار بار افسانے کا تقاضہ کر کے گلزار کو نیا افسانہ لکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اس حوالے سے گلزار رقمطراز ہیں کہ

"بابا کے ہر خط میں اور بعد میں فون پر بھی افسانے کا تقاضہ ضرور ہوتا تھا۔۔۔ بابا نے کہا تھا
تمہارا افسانہ بہت مختصر ہوتا ہے اور اس کی تراش بہت عمدہ ہوتی ہے۔"(۷)

"گریادرہے" میں گلزار کا چوتھا خاکہ خواجہ احمد عباس کا ہے۔ جو ہندوستان کے مشہور صحافی، ترقی پسند ادیب، ناول نگار اور سکرین پلے رائٹر تھے۔ گلزار نے اس خاکے میں انہیں A Man of Litrature کہا ہے۔ ترقی پسند مصنفین اُنہیں باچھو یا چچا باچھو کہہ کر بلاتے تھے۔ گلزار نے اس خاکے میں ان کی شکل وصورت اور جسمانی نقوش کے ساتھ ساتھ ان کی فطرت، سیرت اور فکر کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ گلزار ان کا شخصی مرقع بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:-

"اگر آپ عباس صاحب سے ملے ہوں.... دفتر میں ملے ہوں تو، آپ سے بات کرتے ہوئے
اُٹھ کر کتاب بھی نکال لیتے۔ دراز سے کوئی فائل کھینچ لیتے۔ سیاہی رُکے تو پین جھٹکنے کی ایسی
عادت تھی کہ ball pen کو بھی جھٹکتے رہتے۔۔۔ قمیض پینٹ جیکٹ، نہرو سٹائل کی۔" (۸)

اس اقتباس میں پیش کردہ حُلیے کا بیان بتاتا ہے کہ گلزار کی ان سے قریبی دوستی رہی۔ گلزار کی ان سے زیادہ تر ملاقاتیں IPTA اور PWA کی مجالس میں ہوتی تھیں جب وہ وہاں سامع اور خواجہ احمد عباس

ادیب کی حیثیت سے جاتے تھے۔ خواجہ صاحب کارل مارکس اور کمیونسٹ تحریک سے خاصہ متاثر تھے۔ نیا سنسار کے نام سے ان کا ایک پروڈکشن ہاؤس تھا۔ انہوں نے نکسل باڑی تحریک سے متاثر ہو کر اس پر فلم بھی بنائی۔ گلزار اپنی فلم "لباس" کی شوٹنگ کے دوران روز ان کے گھر سے ہو کے شوٹنگ والے فلیٹ میں جاتے۔ یہ ان کی خواجہ احمد عباس سے دلی وابستگی اور احترام کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

گلزار کے پانچویں خاکے کی موضوع شخصیت "شیلندر" ہے۔ شیلندر اپنے زمانے کے مشہور گیت کار اور شاعر تھے۔ ہندوستانی سینما اور فلمی دنیا میں ان کا بڑا نام تھا۔ اس خاکے میں گلزار نے شیلندر کی ظاہری شخصیت کے ساتھ ان کے بہترین فن اور نرم دلی کے متعلق تحریر کیا ہے۔ فلمی گیتوں کے علاوہ شیلندر فلموں کے لیے مکالمے بھی لکھا کرتے تھے اور وہ اپنے فن میں بڑے ماہر تھے۔ گلزار شیلندر کا حلیہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

> "مکھن زین کی پینٹ، جس کو R.۵۲ بھی کہا جاتا ہے۔ بوسکی کی قمیض اور ہاتھ میں گولڈ فلیک کا ڈبہ، پچاس سگریٹ والا۔ یہ شیلندر کے اچھے دونوں کی تصویر ہے۔ پاؤں میں چپل، شاید کو لہاپوری ۔۔۔ گہرا سانولا رنگ اور اس پر چمکتی ہوئی ایک مسکراہٹ۔"(۹)

گلزار کا چھٹا خاکہ "شہریار سنو" کے عنوان سے ہے۔ جس کی موضوع شخصیت اردو ادب کے معروف شاعر "شہریار" ہیں۔ جو اگر فراق، فیض اور فراز کے برابر نہیں تو ان سے کم بھی نہیں۔ گلزار کے بقول ان کا ہر لفظ کنول کے پتے پر گری بوند کی طرح ہے جو تھرکتی ہے اور توجہ مبذول کراتی ہے۔ گلزار نے اس خاکے میں شہریار کے شاعرانہ فن کی داد دیتے ہوئے بہت سی مثالیں دی ہیں۔ یہاں تک کہ یہ شخصی خاکہ کم اور ستائشی مضمون زیادہ لگتا ہے۔

"گریاد رہے" میں ساتواں خاکہ نصیر احمد ناصر کا ہے۔ یہ خاکہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ گلزار کی ان سے خط و کتابت دوستی کا موجب بنی۔ نصیر احمد ناصر کے رسالے تسطیر کے لیے وہ اپنی تخلیقات بھیجا کرتے تھے۔ مگر پاکستان آنے پر استقبال کرنے والوں میں جب گھنی سفید مونچھوں والے نصیر احمد ناصر سے ملاقات ہوئی تو بہت خوش ہوئے۔ گلزار نے اس خاکے میں ان کا تعارف سمندر بھری بوند کہہ کر کرایا ہے۔ وہ ان کے فن کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو بھی ان کا کلام سنے اسے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے لیے ہی لکھا گیا ہو۔ گلزار لکھتے ہیں کہ

> " یہ سفید مونچھوں والا میرا دوست کمال کا شاعر ہے۔ میں ہمیشہ اسے اس کی تشبیہوں اور استعاروں سے پہچانتا ہوں۔"(۱۰)

گلزار کا آٹھواں خاکہ "جاوید صدیقی" کا ہے۔ گلزار کا ان سے پرانا یارانہ ہے۔ جاوید صدیقی ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ہندوستانی سینما میں بھی اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ ان کے تحریر کردہ ڈرامے، فلمی مکالمے اور اسکرین پلے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس خاکے میں گلزار کہتے ہیں کہ جاوید کی کوئی بات من گھڑت نہیں ہوتی بلکہ ان کا لفظ لفظ معاشرے سے کشید کیا ہوا ہے۔ جاوید صدیقی کے اس خاکے میں گلزار ان کی گھنی مونچھوں کو نصیر احمد ناصر سے کم تر قرار دے کر ان پر فخر نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ گلزار نے ان کی شخصیت کے ساتھ تخلیقات اور فن کو بھی سراہا ہے بالخصوص انکی خاکہ نگاری کو، کئی خاکوں کی مثالیں دے کر فنِ خاکہ نگاری کے اونچی اونچے ستھان پر جگہ دی ہے۔

"امجد اسلام امجد" کا خاکہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس خاکے میں گلزار نے امجد اسلام امجد کی تخلیقی جہات پر بات کرتے ہوئے انکی شخصیت و فن کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ گلزار نے ان کے لکھے ہوئے سفر ناموں کو بھی سراہا ہے جو معلومات اور تاریخ کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہیں۔ گلزار کی امجد اسلام امجد سے گہری دوستی تھی۔ ہر سال گلزار چودہ اگست پر انہیں فون کر کے یومِ آزادی مبارک ضرور کہتے اور دونوں ممالک (انڈیا، پاکستان) کے امن و سلامتی کی دعا کرتے۔ گلزار نے اس خاکے میں انہیں انتہا کی ملن سار اور محبت کرنے والی شخصیت قرار دیا ہے۔

گلزار کا دسواں خاکہ "ایوب خاور" کا ہے۔ جو اردو زبان کے ممتاز شاعر، ٹی وی ڈائریکٹر، براڈ کاسٹر، پروڈیوسر اور ڈرامہ نگار ہیں۔ ان کا تعلق پاکستان کے مشہور ضلع چکوال سے ہے۔ گلزار نے انہیں انکے انفرادی اسلوب کے باعث بلند قامت کہا ہے۔ "گریادرہے" کے آخری خاکے کی موضوع شخصیت ف س اعجاز ہیں۔ ف س اعجاز اور گلزار میں ایک چیز خاصی مشترک ہے اور وہ یہ کہ دونوں رابندر ناتھ ٹیگور کی فنی عظمت کے قائل ہیں۔ مزید یہ کہ دونوں نے ٹیگور کے کلام کا اُردو ترجمہ کیا ہے۔ اس خاکے میں گلزار نے ٹیگور کے شعری مجموعے "گیتا نجلی" سے متعلق خاصی معلومات بھی دی ہیں۔ فنِ ترجمہ نگاری اور ٹیگور کی شاعری کے ترجمے کے حوالے سے گلزار اگرچہ فراق گورکھپوری اور نیاز فتح پوری کی بھی تعریف کرتے ہیں مگر ف س اعجاز کو ماہر گردانتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ خاکہ ف س اعجاز سے زیادہ ٹیگور کا محسوس ہوتا ہے۔

گلزار کے تحریر کردہ شخصی خاکوں کا مطالعہ پاک و ہند میں اردو ادب کی اہم شخصیات کا مطالعہ ہے۔ جس میں انہوں نے ان ادبی شخصیات سے اپنی محبت، لگاؤ اور بے تکلفی کو بھی اپنی نگارشات کا حصہ بنایا ہے۔ گلزار نے موضوع شخصیات کی خوبیوں کے ساتھ معائب اور رجحانات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ تاہم کہیں

کہیں وہ جانبداری سے بھی کام لے جاتے ہیں۔ انہوں نے ان خاکوں میں واقعاتی اسلوب اپنایا ہے۔ مثلاً

"ایک بار سبو حی جی لاہور گئے تو قاسمی صاحب سے کہا کہ منٹو کی قبر پر سجدہ کرنا چاہتے ہیں۔"(۱۱)

خاکہ نگاری میں مشاہدے کی صلاحیت سب سے اہم ہے اور گلزار اس صلاحیت سے مالا مال ہیں۔ پھر ان کے اندر کا کہانی کار عام بات کو بھی افسانوی رنگ دے دیتا ہے۔ اور وہ کچھ یوں منظر نگاری کرنے لگتے ہیں۔

" آنگن میں لگے تندور پر، کئی بار دیکھا تھا، ماں پانی سے ہاتھ گیلے کر کے، اور چھوٹا سا رومال جسے ہم 'پرنا' کہتے تھے۔ روز لال پتے تندور میں ہاتھ ڈال کر روٹیاں لگاتی تھی، اور اُتارتی تھی۔ کبھی کبھی کلائی سے تھوڑا اوپر بانہہ پر جلا ہوا نشان بھی دیکھا۔" (۱۲)

گلزار مزاح سے کام لیتے بھی نظر آتے ہیں۔ بالخصوص جاوید صدیقی کے خاکے میں انکی نانی کا ذکر مزاحیہ واقعات سے بھرا نظر آتا ہے۔ خاکہ نگاری کی دنیا میں بہترین خاکوں کی کمی تو نہیں ہے مگر گلزار نے اردو ادب کو وہ شاہکار خاکے دیے ہیں جو خاکہ نگاری کی دنیا میں اپنے کردار اور ماحول کے باعث منفرد قرار پائے۔ بلاشبہ اس ایک کتاب نے خاکہ نگاری کی دنیا میں گلزار کو اعتبار اور نمایاں جگہ عطا کی ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) یحییٰ امجد، فن اور فیصلے، (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۶۹ء)، ۲۶۔

(۲) ڈاکٹر بشیر سیفی، خاکہ نگاری۔ فن و تنقید، (لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۹۳ء)، ۱۵۔

(۳) گلزار، گریاد رہے، (جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۹ء)، ۱۸۔

(۴) ایضاً، ۲۴۔ (۵) ایضاً، ۲۳۔ (۶) ایضاً، ۳۴۔ (۷) ایضاً، ۳۶۔

(۸) ایضاً، ۳۹۔ (۹) ایضاً، ۴۹۔ (۱۰) ایضاً، ۶۸۔ (۱۱) ایضاً، ۲۵۔

(۱۲) ایضاً، ۱۷۔

Bibligraphy

(1) Yahya Amjad, *Fun aur Faislay*, (Lahore: Maktba Aalia, 1969), p.26
(2) Dr. Basheer Saifi, *Khaka Nigari – Fan-o Tanqeed*, (Lahore: Nazeer Sons Publishers, 1993), p.15
(3) Gulzar, *Gar Yaad Rahay*, (Jehlam: Book Corner, 2019), p.18
(4) ibid, p.24 (5) ibid, p.23 (6) ibid, p.34
(7) ibid, p.36 (8) ibid, p.39 (9) ibid, p.49
(10) ibid, p.68 (11) ibid, p.25 (12) ibid, p.17

❖❖❖